○ حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جن کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے اپنا نمایندہ منتخب کریں۔

○ انتخاب وہی صحیح ہے جس میں ملک کے ہر بالغ شخص کو براہ راست رائے دہی کا حق ہو۔ بالواسطہ انتخاب جمہوریت نہیں بلکہ آمریت چلانے کا آلہ ہوتا ہے۔

○ جس انتخاب میں دھن' دھونس' دھاندلی اور انتظامی افسروں کی مداخلت سے کام لیا جائے وہ سرے سے کوئی انتخاب ہی نہیں ہے اور قوم کو ایسے انتخاب میں رائے دہی کا حق حاصل ہونا یا نہ ہونا بالکل یکساں ہے۔

○ ملازمین حکومت خواہ' وہ فوجی ہوں یا سول' ان کا کام خود حکومت کرنا نہیں ہے بلکہ عوام کے نمایندوں کے تحت حکومت کا انتظام کرنا ہے۔

○ ملک کے نمایندوں کی جو پارلیمنٹ یا اسمبلی بھی ہو' تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں ہونے چاہییں' کوئی شخص بھی اس پر جج بنا کر نہ بٹھایا جانا چاہیے۔

○ ملک کے نظام کا صحیح طریقے سے چلنا اس پر منحصر ہے کہ ملک میں پریس آزاد ہو' پلیٹ فارم آزاد ہو' خبر رسانی اور نشرو اشاعت کے ذرائع پر کسی طرح کا بے جا کنٹرول نہ ہو' لوگ اپنے ملک کے حالات سے ٹھیک ٹھیک باخبر رکھے جائیں' اور انھیں ہر نقطہ نظر سننے اور آزادی کے ساتھ بحث مباحثہ کر کے رائے قائم کرنے کے پورے مواقع حاصل ہوں۔

○ ملک کا نظام اس نظریے پر قائم ہونا چاہیے جسے ملک کے باشندوں کی اکثریت قبول کرتی ہو' مگر جن نظریات کے لوگوں کی اقلیت ہو انھیں اس امر کے پورے مواقع حاصل رہنے چاہییں کہ وہ رائے عام کی تائید حاصل کر کے برسراقتدار آسکیں' اور کبھی ایسے حالات پیدا نہ ہونے چاہییں کہ کسی خیال کے لوگ تبدیلی نظام کے لیے غیر آئینی راستے تلاش کرنے لگیں۔

[پہلی بنیاد جس] پر زیادہ سے زیادہ اتفاق کے ساتھ پاکستان کا نظام زندگی تعمیر کرنا ممکن ہے' وہ یہ ہے کہ قرآن و سنت کو منبع ہدایت اور اولین ماخذ قانون تسلیم کیا جائے۔ دوسری بنیاد جس پر اتفاق ہو سکتا ہے "جمہوریت" ہے۔ یہ خود قرآن و سنت کا منشا بھی ہے' اور باشندگان ملک کی خواہشات کا تقاضا بھی۔ اس کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ ملک کسی خاص شخص' یا طبقے اور گروہ کا نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کا ہے جو اس میں رہتے ہیں' لہٰذا اس کا انتظام ان سب کی' یا کم از کم ان کی اکثریت کی مرضی کے مطابق چلنا چاہیے' اور ان کو اصولاً یہ حق اور عملاً یہ موقع حاصل ہونا چاہیے کہ اپنے حکمران اپنی آزاد مرضی سے چنیں اور اپنی آزاد مرضی ہی سے ان کو تبدیل کر سکیں۔ اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی بہت سی شکلیں دنیا میں اختیار کی گئی ہیں اور بہت سی نئی شکلیں بھی ہو سکتی ہیں۔ بحث اس کی کسی

خاص شکل میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ جو شکل بھی اختیار کی جاتی ہے اس میں جمہوریت کی یہ حقیقت فی الواقع موجود ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر یہاں کوئی ایسا نظام قائم کر دیا جائے جس میں باشندگان ملک کی نہیں بلکہ کسی خاص طبقے کی مرضی کو غلبہ حاصل ہو تو خواہ اس پر کتنے ہی جلی حروف میں "جمہوریت" کا سرعنوان لکھ دیا جائے' اس پر عام لوگوں کا مطمئن ہونا اور مطمئن رہنا بہرحال ممکن نہیں ہے' اور نہ یہی ممکن ہے کہ اسے کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے سب یا اکثر باشندوں کا دلی تعاون حاصل ہو سکے۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جمہوریت میں بھی بہت سے نقائص ہوتے ہیں' اور وہ نقائص بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں جبکہ کسی ملک کی آبادی میں شعور کی کمی ہو' ذہنی انتشار موجود ہو' اخلاق کمزور ہوں' اور ایسے عناصر کا زور ہو جو ملک کے مجموعی مفاد کی بہ نسبت اپنے ذاتی' نسلی' صوبائی اور گروہی مفاد کو عزیز تر رکھتے ہوں۔ لیکن ان سب حقائق کو تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ عظیم تر حقیقت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ ایک قوم کی ان کمزوریوں کو دور کرنے اور اسے بحیثیت مجموعی ایک بالغ قوم بنانے کا راستہ جمہوریت ہی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان اسی وقت اپنے بل بوتے پر زندگی بسر کرنے کے قابل ہوتا ہے جبکہ اسے اپنے اختیار سے کام کرنے اور اپنی ذمہ داریاں خود سنبھالنے کا موقع حاصل ہو۔ آغاز میں اس کے اندر بہت سی کمزوریاں ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ ٹھوکریں کھاتا ہے' مگر تجربات کی درس گاہ بالآخر اسے سب کچھ سکھا دیتی ہے اور ٹھوکریں کھا کھا کر ہی وہ کامیابی کی راہ پر آگے بڑھنے کے قابل بنتا ہے۔ ورنہ اگر وہ کسی سرپرست کے سہارے جیتا رہے تو ہمیشہ نابالغ ہی بنا رہتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ ایک قوم کا بھی ہے۔ وہ بھی کبھی نابالغی کی حالت سے نہیں نکل سکتی جب تک کہ اس امر واقعی سے اس کو سابقہ پیش نہ آجائے کہ اب اپنے بھلے برے کی وہ خود ذمہ دار ہے' اس کے معاملات کا اچھی طرح یا بری طرح چلنا اس کے اپنے ہی فیصلے پر منحصر ہے۔ آغاز میں وہ ضرور غلطیاں کرے گی اور ان کا نقصان بھی اٹھائے گی' لیکن صحیح طریقے پر کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہونے کا کوئی راستہ ان تجربات کے سوا نہیں ہے۔ علاوہ بریں جمہوری نظام ہی وہ ایک نظام ہے جو ایک ایک شخص میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ ملک اس کا ہے' ملک کی بھلائی اور برائی اس کی اپنی بھلائی اور برائی ہے' اور اس بھلائی اور برائی کے رونما ہونے میں ذاتی طور پر اس کے اپنے فیصلے کی صحت یا غلطی کا بھی دخل ہے۔ یہی چیز افراد میں اجتماعی شعور بیدار کرتی ہے۔ اسی سے فرداً فرداً لوگوں کے اندر اپنے ملک کے معاملات سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی کی بدولت بالآخر یہ ممکن ہوتا ہے کہ ملک کی بھلائی کے لیے کام کرنے اور ملک کو داخلی و خارجی مضرات سے بچانے میں پورے ملک کی آبادی اپنی پوری طاقت استعمال کرنے لگے۔ دوسرا جو نظام بھی ہو' خواہ وہ بادشاہی ہو یا ڈکٹیٹرشپ یا اشرافیت' اس میں عوام الناس حالات کے محض "تماشائی" بن کر رہتے ہیں اور جب ان حالات کے رد و بدل یا بناؤ اور بگاڑ میں ان کی رائے اور

مرضی کا دخل نہیں ہوتا تو وہ ان میں دلچسپی بھی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ جمہوریت کے جو اور جیسے بھی نقائص ہوں، انھیں اس نقصان عظیم سے بہرحال کوئی نسبت نہیں ہے۔

پچھلے چند سال میں ہمارے ہاں جو حالات پیش آئے ہیں انھیں اس بات کی دلیل ٹھہرایا جاتا ہے کہ یہاں جمہوریت ناکام ہو چکی ہے، اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اس ملک کے باشندے اس کے اہل نہیں ہیں۔ اس کی مختلف قسم کی متبادل صورتیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ یہاں جمہوریت تو ضرور ہونی چاہیے مگر اسے قابو میں رکھنے والی ایک بالاتر طاقت بھی ضروری ہے جو اس کو بگڑتے دیکھ کر درست کر دیا کرے۔ اور کوئی یہ پردہ بھی باقی نہیں رہنے دیتا، اور صاف کہتا ہے کہ ایک بگڑی ہوئی جمہوریت سے ایک خیراندیش اور مستعد آمریت بدرجہا بہتر ہے۔ لیکن اگر ٹھنڈے دل سے ان تمام حالات پر غور کیا جائے جو اب تک یہاں پیش آئے ہیں تو کسی صاحب بصیرت کے لیے یہ بات سمجھنی مشکل نہ ہوگی کہ یہاں جو چیز ناکام ثابت ہوئی ہے وہ جمہوریت تھی ہی نہیں۔ جمہوریت تو نام ہی اس چیز کا ہے کہ عام لوگ خود اپنے قومی و ملکی معاملات کو چلانے کے ذمہ دار ہوں اور وہ تجربے سے سبق سیکھ سیکھ کر اپنی غلطیوں کی خود تلافی کرتے چلے جائیں۔ یعنی ایک یا چند مرتبہ اگر ان کا انتخاب غلط ثابت ہو اور اس کے نقصانات ان کے سامنے آجائیں تو کوئی دوسرا مداخلت کر کے اس کی اصلاح کرنے نہ آئے بلکہ وہ خود ہی ایک معروف و مسلم ضابطے کے مطابق اس کی اصلاح کرتے رہیں۔ یہ چیز یہاں کس روز قائم ہوئی تھی کہ اب اس کی ناکامی کا دعویٰ کیا جاتا ہے؟ یہاں تو جو چیز قائم ہوئی تھی وہ جمہوریت اور آمریت کی ایک ایسی آمیزش تھی جس کے اندر ان دونوں میں سے کسی ایک نظام کا حق بھی ادا نہیں ہو رہا تھا۔ اب اگر اس کے برے نتائج سامنے آگئے ہیں تو اسے جمہوریت کی ناکامی قرار دینا غلط ہے، اور اس سے زیادہ غلط بات یہ ہے کہ اسے کسی نقاب پوش یا بے نقاب آمریت کے حق میں دلیل ٹھہرایا جائے۔

یہ تو ہے استدلال کی غلطی۔ اب رہیں وہ متبادل صورتیں جو جمہوری نظام کے مقابلے میں پیش کی جاتی ہیں، تو ان کے بارے میں یہ بات ہم کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جمہوریت کو درہم برہم کر کے آمریت کی راہ پر چل پڑنا جتنا آسان ہے، جمہوریت کی طرف پھر پلٹ آنا اتنا آسان نہیں ہے۔ آمریت خواہ پرامن طریقے ہی سے قائم ہو، بہرحال پرامن طریقے سے دفع نہیں ہو سکتی۔ اور اس امر کی بھی کوئی ضمانت کسی کے پاس نہیں ہے کہ جو لوگ ابتداً آمریت کے سربراہ کار ہوں وہی ہمیشہ اس کے سربراہ کار رہیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کل بساط الٹ جائے اور آمر خود مامور ہو کر رہ جائیں، بلکہ آمریت کے شکار ہو کر رہیں۔ لہٰذا تمام لوگوں کو ــــ جمہوریت کی نمائندگی کرنے والوں کو بھی اور آمریت کی طرف رجحان رکھنے والوں کو بھی ــ اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ آیا وہ آمریت کے ان نتائج کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں جو بہرحال اس کے

فطری نتائج ہیں؟ آمریت خواہ کتنی ہی خیراندیش ہو اور کیسی ہی نیک نیتی کے ساتھ قائم کی جائے' اس کا مزاج اس کے اندر لازماً چند خصوصیات پیدا کر دیتا ہے جو اس سے کبھی دور نہیں ہو سکتیں' اور ان خصوصیات کے چند لازمی اثرات ہوتے ہیں جو مترتب ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ تنقید کو برداشت نہیں کرتی۔ وہ خوشامد پسند ہوتی ہے۔ وہ اپنے محاسن کا اشتہار دیتی اور عیوب پر پردہ ڈالتی ہے۔ اس میں یہ ممکن نہیں ہوتا کہ خرابیاں بروقت نمایاں ہو جائیں اور ان کا تدارک کیا جاسکے۔ وہ عام رائے اور افکار و نظریات سے غیر متاثر ہوتی ہے۔ اس میں رد و بدل کسی کھلے کھلے طریقے سے نہیں بلکہ درباری سازشوں اور جوڑ توڑ سے ہوتا ہے جنھیں عوام الناس صرف تماشائی ہونے کی حیثیت سے دیکھتے رہتے ہیں۔ اس میں صرف ایک محدود طبقہ ملک کے سارے در و بست پر متصرف ہوتا ہے اور باقی سب بے بس محکوم بن کر رہتے ہیں۔ اس کے تحت یہ ممکن ہی نہیں ہوتا کہ پوری قومی طاقت' دلی رضا اور ارادے کے ساتھ کسی مقصد کے لیے حرکت میں آسکے۔ اس کا آغاز چاہے کتنی ہی نفع رسانی کے ساتھ ہو' انجام کار وہ ایک جابر طاقت بنے بغیر نہیں رہتی' اور عام لوگ بیزار ہو کر اس سے خلاصی کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ مگر خلاصی کے جتنے پرامن راستے ہوتے ہیں وہ انھیں چن چن کر بند کر دیتی ہے اور مجبوراً ملک ایسے انقلاب کی راہ پر چل پڑتا ہے جو مشکل ہی سے اس کو کسی منزل خیر پر پہنچنے دیتے ہیں۔

ان نتائج پر جو شخص بھی بے غرضی کے ساتھ غور کرے گا وہ کبھی کسی نوع کی آمریت کو جمہوریت پر ترجیح نہ دے گا خواہ آمریت کا وہ مقام خود اسی کو کیوں نہ حاصل رہا ہو (ترجمان القرآن' جلد ۴۴' عدد ۶)۔

اسلام اور جمہوریت

جمہوریت کے [موجودہ نظام کے] بارے میں جو تنقید کی [جارہی] ہے اس کے تمام نکات اپنی جگہ درست ہیں' لیکن اس مسئلے میں آخری رائے قائم کرنے سے پہلے چند اور نکات کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

اولین سوال یہ ہے کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لیے اصولاً کون سا طریقہ صحیح ہے؟ آیا یہ کہ وہ معاملات جن لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کی مرضی سے سربراہ کار مقرر کیے جائیں' اور وہ ان کے مشورے اور رضامندی سے معاملات چلائیں اور جب تک ان کا اعتماد سربراہ کاروں کو رہے اسی وقت تک وہ سربراہ کار رہیں؟ یا یہ کوئی شخص خود سربراہ کار بن بیٹھے اور اپنی مرضی سے معاملات چلائے اور اس کے تقرر اور علیحدگی اور کارپردازی میں سے کسی چیز میں بھی ان لوگوں کی مرضی و رائے کا کوئی دخل نہ ہو جن کے معاملات وہ چلا رہا ہو؟

اگر ان میں سے پہلی صورت ہی صحیح اور مبنی بر انصاف ہے' تو ہمارے لیے دوسری صورت کی

طرف جانے کا راستہ پہلے ہی قدم پر بند ہو جانا چاہیے' اور ساری بحث اس پر ہونی چاہیے کہ پہلی صورت کو عمل میں لانے کا زیادہ سے زیادہ بہتر طریقہ کیا ہے۔

دوسری بات جو نگاہ میں رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ جمہوریت کے اصول کو عمل میں لانے کی جو بے شمار شکلیں مختلف زمانوں میں اختیار کی گئی ہیں یا تجویز کی گئی ہیں' ان کی تفصیلات سے قطع نظر کر کے' اگر انھیں صرف اس لحاظ سے جانچا اور پرکھا جائے کہ جمہوریت کے اصول اور مقصد کو پورا کرنے میں وہ کہاں تک کامیاب ہوتی ہیں' تو کوتاہی کے بنیادی اسباب صرف تین ہی پائے جاتے ہیں۔

اول یہ کہ "جمہور" کو مختارِ مطلق اور حاکمِ مطلق فرض کر لیا گیا اور اس بنا پر جمہوریت کو مطلق العنان بنانے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ جب بجائے خود انسان ہی اس کائنات میں مختار مطلق نہیں ہے تو انسانوں پر مشتمل کوئی جمہور کیسے حاکیت کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر مطلق العنان جمہوریت قائم کرنے کی کوشش آخر کار جس چیز پر ختم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چند آدمیوں کی عملی حاکیت ہے۔ اسلام پہلے ہی قدم پر اس کا صحیح علاج کر دیتا ہے۔ وہ جمہوریت کو ایک ایسے بنیادی قانون کا پابند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم نے مقرر کیا ہے۔ اس قانون کی پابندی جمہور اور ان کے سربراہ کاروں کو لازماً کرنی پڑتی ہے اور اس بنا پر وہ مطلق العنانی سرے سے پیدا ہی نہیں ہونے پاتی جو بالآخر جمہوریت کی ناکامی کا اصل سبب بنتی ہے۔

دوم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک عوام میں اس کا بوجھ سہارنے کے لائق شعور اور مناسب اخلاق نہ ہوں۔ اسلام اسی لیے عام مسلمانوں کی فرداً فرداً تعلیم اور اخلاقی تربیت پر زور دیتا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ ایک ایک فرد مسلمان میں ایمان اور احساس ذمہ داری اور اسلام کے بنیادی احکام کا اور ان کی پابندی کا ارادہ پیدا ہو۔ یہ چیز جتنی کم ہو گی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہوں گے اور جتنی زیادہ ہو گی امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔

سوم یہ کہ جمہوریت کے کامیابی کے ساتھ چلنے کا انحصار ایک بیدار اور مضبوط رائے عام پر ہے۔ اس طرح کی رائے عام اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھے افراد پر مشتمل ہو' ان افراد کو صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو' اور اس اجتماعی نظام میں اتنی طاقت موجود ہو کہ برائی اور برے لوگ اس میں نہ پھل پھول سکیں' اور نیکی اور نیک لوگ ہی اس میں ابھر سکیں۔ اسلام نے اس کے لیے بھی ہم کو تمام ضروری ہدایات دے دی ہیں۔

اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عمل درآمد کی مشینری خواہ کسی طرح کی بنائی جائے' وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے۔ اور اس مشینری میں کسی جگہ کوئی قباحت محسوس ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشینری بھی بنائی جا سکتی ہے۔ (مرتبہ: خ-م)

A foreign policy expert and Former ambassador
Dr S M Koreshi
unveils the US designs against the rest of the world

NEW WORLD ORDER

Western Fundamentalism In Action

Besides discussing New World Order its Nature and Objectives it highlights

- Plans for restructuring the Muslim world and Pakistan
- Instruments for eliminating Islamism
- Plans for Imposition of Western culture, economic and Political system
- Linkage between policies of disarmament, nuclear non-proliferation, charges of terrorism and Fundamentalism
- Future of China, Japan, Russia and Germany as super powers.
- Clashes of economic interests of America and Europe

In a milieu which takes the NWO as gospel, Koreshi has exposed it methodically. The apprehensions expressed by him at the time of finalising his manuscript have been borne out prophetically.

The book should serve as a beacon to both researchers as well as the common readers.

Pages 306

Price 250

An INSTITUTE OF POLICY STUDIES publication

Distributor: **Book Promoters (Pvt) Ltd**
Nasr Chambers, Block 19, F-7 Markaz, Islamabad, Telephone 823094 Fax 824704